مقالات

تقلید شخصی کے شرعی حدود

(از افادات علامۂ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ)

شیخ الاسلام امام ابنِ تیمیہؒ سے پوچھا گیا کہ

(۱) کیا ایک امام کا مقلد دوسرے امام کے پیروؤں کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے؟ کیا اس سے اجتناب کرنا بدعت اور گمراہی ہے؟ اور کیا ایک شخص کسی ایسے امام کے پیچھے بھی نماز پڑھ سکتا ہے جو نماز میں ایسے امور کی بالکل رعایت نہ کرتا ہو جنکی فرضیت اور وجوب تک کا وہ مقتدی قائل ہے؟ مثلاً مقتدی بسم اللہ اور تشہد کی فرضیت کا قائل ہے، قے، رعاف اور حجامت کو نواقض وضو میں سے مانتا ہے، لیکن امام عملاً اور اعتقاداً ان باتوں کی بالکل رعایت نہیں کرتا، اور مقتدی کو اس بات کا علم بھی ہے۔

(۲) ایک مقلد بعض ارکان نماز میں اپنے امام کی مخالفت کرتا ہے۔ کیا یہ مخالفت

بقیہ مضمون صفحۂ ۱۷ - آگے چل کر مجلس قانون ساز میں ہماری شریعت اور ہمارے اصول تہذیب و تمدن کی کیسی قطع و برید کرانے والا ہے، اور ہندوستان کی آبادی کو "ایک قوم" بنانے کیلیے اس سے کیا کیا کام لیے جانے والے ہیں۔

(باقی)

اسکے تذبذب پر دلالت کرتی ہے اور کیا اس کی یہ مخالفت اُس (امام کے) مذہب کے اندر بدعت کا فتنہ قرار دی جائیگی ؟

(۳) ایک شخص کسی امام کے مذہب کا مطالعہ کرتا ہے، اس میں تفقہ اور بصیرت حاصل کرتا ہے، پھر اس کے سامنے ایسی احادیث آتی ہیں جو صحیح اور مستند ہیں، نسخ اور تخصیص کے شکوک سے بالاتر ہیں، دیگر نصوص شرعیہ سے ان کا کوئی معارضہ بھی نہیں، لیکن امام کی تقلید میں جو مذہب اس نے اختیار کر رکھا تھا یہ حدیثیں اسکی مخالفت کرتی ہیں، تو کیا ایسی صورت میں اس مذہب کا اتباع جائز ہو سکتا ہے یا اس شخص کیلیے احادیث کا اتباع ضروری ہے ؟

شیخ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا :-

(۱) اختلاف مذہب کے باوجود نماز بلا کسی نقص اور کراہت کے ہو جائیگی - ایسے تمام مسائل میں سلف اپنی رائیں الگ الگ رکھتے تھے، لیکن صحابہؓ، تابعینؒ، ائمۂ اربعہ اور دیگر تمام علمائے سلف سب کے سب بلا لحاظِ اختلاف ایک دوسرے کے پیچھے نمازیں پڑھا کرتے تھے اور کسی کا ذہن بھی ان اوہام سے دوچار نہ ہوا - انکار تو درکنار، وہ لوگ بھی جنہیں معلّمِ شریعت کو بالکل قریب سے دیکھنے اور سراجِ نبوت سے براہِ راست روشنی حاصل کرنیکی سعادت حاصل ہوئی تھی، اگرچہ مذکورۂ بالا مسائل میں اختلاف رکھتے تھے لیکن اس کے باوجود ایک دوسرے کی اقتدا سے کبھی کسی نے احتیاط روا نہ رکھی - احناف اور امام شافعیؒ وغیرہ علماء مالکی ائمہ کے پیچھے نمازیں پڑھا کرتے تھے - خلیفہ رشید نے پچھنے لگوائے اور حسب رائے امام مالکؒ بغیر تجدید وضو نماز کیلیے کھڑا ہو گیا، لیکن امام ابو یوسف نے اسکی اقتدا میں نماز پڑھی اور کوئی لیت و لعل نہ کی - امام احمد بن حنبلؒ رعاف اور حجامت کو ناقض وضو مانتے ہیں، لیکن جب ان سے پوچھا گیا کہ کیا آپ ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھ لیں گے جس نے بدن سے خون نکلنے کے بعد از

سرِ نو وضو نہ کیا ہو؟ امام علام نے فرمایا کیوں نہیں، سعید ابن المسیب اور امام مالک کے پیچھے تو میں برابر نمازیں پڑھتا ہوں۔

صحابۂ کرام، تابعین اور تمام ائمہ سنت کا یہ اسوہ ہمارے سامنے ہے۔ ایسی حالت میں جو شخص اس روشنی کے اتباع سے گریز کرتا ہے، بدعت کے زہر سے اس کا ذہن مسموم ہو چکا ہے۔ ہدایت کا وہ بدترین دشمن اور کتاب و سنت اور اجماع سلف کا کھلا ہوا منکر ہے۔

اب اس مسئلہ کے تمام امکانی پہلوؤں پر پھیل کر ایک گہری نظر ڈالو۔ اس اختلاف کی دو ہی شکلیں ہو سکتی ہیں:

(۱) مقتدی اس بات سے بالکل بے خبر ہو کہ امام سے ایسے افعال سرزد ہوئے ہیں جو نماز کو باطل کر دینے والے ہیں۔ ایسی صورت میں ائمہ اربعہ اور علمائے متقدمین یکزبان ہو کر فرماتے ہیں کہ اس کی نماز میں کوئی قباحت نہیں۔ ہاں بعض متاخرین نے جنکے دماغوں پر تعصب اور جہالت کا کابوس سوار تھا، اسکی بھی مخالفت کی اور کہہ گئے کہ حنفی کے پیچھے نماز جائز نہیں خواہ وہ تمام واجبات کو ادا ہی کیوں نہ کرتا ہو، کیونکہ عملاً انھیں ادا کرنے کے باوجود وہ ان کے وجوب کا تو قائل نہیں۔ ایسی لایعنی باتوں پر کان دھرنے سے پہلے ضرورت ہے کہ اس مفتی کو اہل بدعت کی طرح توبہ کی دعوت دی جائے۔ نماز کچھ آج ہی سے نہیں پڑھی جا رہی ہے۔ عہد نبوی اور خلافت راشدہ میں بھی نمازیں پڑھی جاتی تھیں۔ اور ہر مسلک کا آدمی دوسرے مسلک والے کے پیچھے بے تکلف نماز پڑھتا تھا، حالانکہ اکثر ائمہ بالکلیہ فرائض و سنن کی کوئی تفصیل اپنے ذہن میں رکھتے ہی نہ تھے، بس شرعی نماز ادا کر دیتے تھے۔ اگر ان تدقیقات کا علم و اعتقاد نماز کیلیے ضروری مان لیا جائے تو پھر کہنا پڑے گا کہ امت کا سوادِ اعظم تمام عمر نماز پڑھنے کے باوجود بے نمازی اور نافرمان ہی رہا۔ حقیقت

یہ ہے کہ یہ ایک طرح کی تکلیف مالا یطاق ہے۔ ایسی احتیاط سرے سے ممکن ہی نہیں۔

(۲) دوسری شکل یہ ہو سکتی ہے کہ مقتدی کو معلوم ہو کہ امام سے ایسے افعال سرزد ہوئے ہیں جو اس (مقتدی) کے نزدیک جائز نہیں، مثلاً امام نے فصد لی یا قے کی اور وضو کئے بغیر مصلائے امامت پر آ کھڑا ہوا۔ ایسی صورت میں فقہاء کی دو رائیں ہیں۔ بعض احناف، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا خیال ہے کہ اس شخص کی نماز نہیں ہو گی کیونکہ وہ تو امام ہی کی نماز نہ ہونے پر اعتقاد رکھتا ہے پھر اسکی نماز کیونکر ہو گی۔ دوسرا مذہب یہ ہے کہ اس صورت حال میں بھی اس مقتدی کی نماز ہو جائیگی۔ تمام ائمۂ سلف اور امام مالکؒ کا یہی خیال ہے، بلکہ امام شافعی، احمد اور ابو حنیفہ سے بھی بعض سلسلے یہی روایت کرتے ہیں اور یہی خیال صحیح اور موافق سنت ہے۔ صحیح بخاری کی روایت ہے کہ

"آپ نے فرمایا، تمہارے امام تمہاری نمازیں پڑھاتے ہیں، اگر انہوں نے ٹھیک ٹھیک نماز ادا کی تو تم اور وہ دونوں مستحق اجر و ثواب ٹھیرے، اور اگر انہوں نے نماز میں لغزشیں کیں تو تمہارا اجر تو کہیں گیا نہیں، وہ البتہ ماخوذ ہونگے"

دیکھو رسول اللہ صلعم نے کس طرح کھول کر فرما دیا ہے کہ امام کی کوتاہیاں مقتدی پر کوئی اثر نہیں ڈالتیں۔

پھر ایک اور پہلو سے غور کرو۔ حقیقت اور زیادہ نکھر کر سامنے آجائیگی۔ مقتدی کو یہ بات تو معلوم ہے کہ امام کا یہ طرزِ عمل خود امام کے خیال اور اعتقاد کے مطابق بالکل جائز ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ اس کے اس طرزِ عمل پر کوئی باز پرس نہ ہو گی۔ اس رائے میں یا تو وہ امام بذات خود مجتہد ہو گا یا کسی دوسرے مجتہد کا مقلد ہو گا۔ بصورت اول، یہ بات معلوم

ہے کہ اجتہاد کی خطا بھی باعثِ اجر و مغفرت ہوتی ہے، لہذا اسکی نماز کی صحت یقینی ہے بصورت دیگر خطا و صواب کی تمام ذمہ داری اس امام پر ہوگی جس کا وہ مقلد ہے۔ اسکے مذہب کے پیشوا نے اگر غلطی کی ہے تو اس کی پاداش میں خود اس بیچارے کے اعمال نہیں ضائع ہو سکتے۔ بہر حال اگر امام نے کسی مجتہد کی تقلید میں یا اپنے ذاتی اجتہاد کی رہنمائی میں کوئی فعل اختیار کیا اور مقتدی نے اپنے واجبات کو اپنے طور پر ادا کر لیا تو اب اس سے زیادہ کا مطالبہ کرنا یقیناً لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا کی صریح مخالفت ہے۔ نمازیں دونوں کی ہوگئیں اور دونوں نے تکلیف شرعی کے حقوق ادا کر دیئے، درانحالیکہ ظاہری افعال میں امام و مقتدی کی موافقت بھی پوری پوری موجود ہے۔

اور مخالفین کا یہ کہنا تو بالکل ہی غلط ہے کہ مقتدی کو امام کی نماز باطل ہو جانے کا یقین ہے۔ کیونکہ مقتدی اس حقیقت سے اچھی طرح باخبر ہے کہ امام نے وہ تمام افعال پورے کر دیے ہیں جو اس پر واجب تھے اور اگر اس کے علم و اجتہاد نے کوئی لغزش کھائی بھی ہے تو خدا اسے معاف کر دیگا۔ اسکی نماز پر اس کا کوئی اثر نہ ہوگا۔ تم دیکھتے ہو کہ بعض اوقات امام کو نماز میں سہو ہو جاتا ہے اور اسکی متابعت میں مقتدی بھی اس سہو کا ارتکاب جانتے ہوئے کر بیٹھتے ہیں، لیکن انکی نماز باطل نہیں ہوتی۔ تو پھر جب صرف امام ہی اکیلا ایک غلطی میں گرفتار ہو تو مقتدیوں کی نماز کیوں خراب ہوگی۔ پس اقتدا کے شرائط میں سے یہ بات ہرگز نہیں ہے کہ امام کے حالات اور اعتقادات کا جائزہ لیا جائے، بلکہ ایک اجنبی شخص کے پیچھے بھی جس کے متعلق مقتدی کو کچھ بھی واقفیت نہ ہو نماز پڑھی جا سکتی ہے۔

مسلمانوں کیلیے ضروری ہے کہ امام کے اتباع سے اس وقت تک بالکل انکار نہ کریں جب تک وہ نماز میں ایسے افعال نہیں کرتا جسکی کوئی اصل شریعت میں سرے

سے موجود ہی نہ ہو، کیونکہ شارع کا ارشاد ہے کہ "امام بنایا ہی اسی لیے گیا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے"۔ اگر امام نماز میں رفع یدین کرتا ہے اور مقتدی نہیں کرتا، یا مقتدی کرتا ہے امام نہیں کرتا، یا دونوں کرتے ہیں، یا ایک شخص بعض وقت ہاتھ اٹھاتا ہے اور بعض اوقات نہیں اٹھاتا، ان تمام باتوں سے کسی کی نماز میں کوئی خرابی نہیں پیدا ہو سکتی۔ اس پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے۔ اور کسی کیلیے جائز نہیں کہ کسی خاص امام کی رائے کو مذہبی شعار قرار دیکر اسکے اتباع کو واجب کہے، اور اسکے خلاف جو مستند حدیثیں مروی ہیں انکے اتباع سے روکے۔ بلکہ حق یہ ہے کہ رسول پاک سے جو کچھ اور جسقدر ثابت ہے، اسکی وسعت اپنی جگہ پر قائم رہیگی۔ مثال کے طور پر اذان و اقامت کو لو کہیں تو مروی ہے کہ آپ نے اذان میں ہر کلمہ کو دُہرانے اور اقامت میں صرف ایک ایک بار کہنے کا حکم دیا، اور کہیں یہ ارشاد ہوتا ہے کہ اذان اور اقامت دونوں میں دُہراؤ۔ اب اس وسعت کے پیش نظر جو شخص اقامت کے اندر ان کلمات ماثورہ کو دہراتا ہے وہ بھی حق پر ہے، اور جو صرف ایک ہی بار کہتا ہے وہ بھی حق پر۔ لیکن جو شخص اس وسعت میں تنگی پیدا کرنا چاہتا ہے، اور دونوں طریقوں میں سے ایک ہی کو واجب العمل اور منصوص قرار دیتا ہے، وہ راہِ حق سے بھٹکا ہوا ہے اور سنت پر ظلم کرتا ہے۔ لیکن آج پورا عالم اسلامی اس بدبختی اور گمراہی کا شکار ہے اتنی بڑی امت کا کوئی شیرازہ ہی نہیں۔ ہر ایک تعصب کے نشۂ باطل سے سرگراں ہے۔ صرف اپنے ہی امام کو سب کچھ سمجھ کر دوسرے تمام ائمۂ دین اور مجتہدین ملت کو کچھ نہ سمجھنا پکے ایمان کی نشانی قرار پا چکا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ جس اختلاف اور تشتت سے اسلام نے بار بار منع کیا تھا، وہی آج مسلمانوں کا طغرائے امتیاز، بلکہ قومی شعار بن چکا ہے۔ ایسے متشددین سب کے سب قابل نفریں، گمراہ، ہوا پرست اور ہدایت سے یکلخت ناآشنا ہیں۔ ان میں اتنی

سمجھ بوجھ بھی نہیں کہ اتحاد ملی اور ایک مرکز سے وابستگی دین کے بنیادی اصول میں سے ہے اور جن چھوٹی چھوٹی اختلافی باتوں پر وہ فرقہ بندیاں اور ہنگامہ آرائیاں کرتے رہے ہیں وہ دین کے خفیف ترین فروع میں سے ہیں۔ جڑوں کو کاٹ کر شاخوں کو ہری رکھنے کی کوشش کرنا دیوانگی نہیں تو اور کیا ہے۔

لطف یہ ہے کہ ان دلدادگان تعصب کو کتاب و سنت سے کچھ یوں ہی سا واسطہ ہے۔ انکے استدلال کی پوری عمارت ضعیف روایتوں، چند سنی سنائی باتوں اور بعض علماء اور شیوخ کی طرف منسوب کی ہوئی آراء پر قائم ہے۔ جو آراء علماء سلف کی طرف منسوب ہیں ان کے متعلق جزم کے ساتھ یہ کہا ہی نہیں جا سکتا کہ یہ انہیں کی ہیں۔ بہت ممکن ہے کہ اس انتساب میں جھوٹ اور افترا سے کام لیا گیا ہو، اور اگر انہیں صحیح بھی مان لیا جائے تو آخر وہ علماء معصوم تو نہیں۔ عصمت تو محض مقام نبوت کیلیے مخصوص ہے جہاں کا ہر قول وحی الٰہی اور ہر رائے حق کی ترجمان ہے، اور صرف وہی ایک مرکز ہدایت ہے جسکی کامل اطاعت ہر انسان پر فرض کی گئی ہے فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۝ دوسری جگہ فرمایا گیا ہے کہ نبی کی ایک ادنیٰ سی مخالفت کرنا عذاب الٰہی کو دعوت دینا ہے۔ فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ الخ

(۲) اگر ایک شخص کسی امام کا مقلد ہے، لیکن بعض مسائل میں کسی دوسرے امام کی رائے اُسے زیادہ صائب اور قوی نظر آتی ہے، اس لیے وہ تقلید جامد کے اصولوں کو پس پشت ڈال کر اپنے یقین کے مطابق دوسری رائے کا اتباع کرتا ہے، تو اس کا یہ طرز عمل روح اسلام کے بالکل مطابق ہے۔ اُس کی دیانت اور عدالت پر باتفاق علماء کوئی رد و قدح

نہیں ہو سکتی - بلکہ وہ اُس اندھے مقلد کی بہ نسبت حق سے زیادہ قریب اور اللہ اور اسکے رسول کے نزدیک زیادہ محبوب ہے، جو نبیؐ معصوم کے ساتھ ساتھ کسی امام معین کو بھی واجب الاتباع سمجھتا ہے، اور ہر اُس رطب و یابس کو جسکی نسبت اسکے امام کی طرف ہے دوسرے ائمہ کی رایوں کے مقابلہ میں ضروری الاطاعت سمجھتا ہے، خواہ وہ رائیں اپنے اندر کتنی ہی زیادہ صداقت اور محکم دلیلیں کیوں نہ رکھتی ہوں - تقلید کے باب میں زیادہ سے زیادہ جو کچھ کہا جا سکتا ہے وہ یہی ہے کہ عامی کیلیے کسی امام کا اتباع جائز یا بہتر یا واجب ہے - لیکن کسی خاص امام کی تعیین نہیں کی جا سکتی اور نہ کوئی مسلم کر سکتا ہے - بخلاف اس کے جو شخص تمام ائمہ سے حسن عقیدت رکھتا ہو اور ہر ایک کی اُس رائے کی پیروی کرتا ہو جو اس کے نزدیک کتاب و سنت سے زیادہ اقرب اور اوفق معلوم ہوتی ہو، وہ حق کی روشن ترین شاہراہ پر ہے اور دوسروں کی بہ نسبت زیادہ صحیح ہدایت اُسے حاصل ہے - اس پر نفاق اور تذبذب کا اتہام لگانا انتہائی شقاوت ہے - تذبذب و نفاق اور رسوخ ایمان کی حقیقت قرآن و سنت میں بار بار بیان کی گئی ہے - وہاں تذبذب کا معیار رفع یدین اور آمین بالجہر کے مسائل نہیں ہیں بلکہ حب للہ و بغض للہ ہے (اسکے بعد شیخ نے آیات و احادیث سے اسکی تفصیل بیان کی ہے)-

ائمۂ دین کا راستہ تو صحابہؓ کا راستہ ہے - صحابۂ کرام کا حال یہ تھا کہ حق کی محبت انہیں ایک شیرازے میں باندھے ہوئے تھی، جسکا نام حبل اللہ ہے - اگر بعض فروع شرعیہ میں وہ باہم گر مختلف ہوئے تو ان کا یہ اختلاف بھی فیضان رحمت اور اگر کسی ایک رائے پر سب متفق ہو گئے تو یہ اتفاق یا اجماع بھی ہمارے لیے شرعی حجت - اب جو شخص تعصب کی بیماری میں مبتلا ہو کر تمام ائمہ کو چھوڑ کر ایک ہی امام کو واجب الاتباع اور مرکز ہدایت سمجھتا ہے اس کی مثال بعینہ اُس شخص کی سی ہے جو تمام اصحابؓ رسولؐ کو چھوڑ کر ایک خاص صحابی میں رشد و ہدایت کو مرکوز کر دیتا ہے، مثلاً روافض جو حضرت علیؓ کے

تعصب میں خلفائے ثلثہ بلکہ جمہور صحابہؓ کو نعوذ باللہ کیا کچھ نہیں کہتے اور سمجھتے، یا خوارج جو حضرت علی و عثمان رضی اللہ عنہما کو دائرۂ اسلام میں رکھنے تک سے انکاری ہیں۔ ایسے لوگوں کو حق اور ہدایت سے کوئی واسطہ نہیں۔ یہ بدعت کے علمبردار اور ہوا پرستی کے امام ہیں جن پر قرآن نے لعنت برسائی اور سنت نے نفرین بھیجی ہے۔ انہوں نے جو راہ اختیار کی وہ رسول کی بتائی ہوئی راہ سے بالکل مختلف ہے۔ پس جو کوئی بھی کسی خاص امام کے بارے میں تعصب کو اپنا شیوہ قرار دیتا ہے۔ وہ اک گونہ ان گمراہوں سے تشبہ اختیار کرتا ہے خواہ وہ حنفی ہو یا مالکی، شافعی ہو یا حنبلی یا کسی اور کا مقلد۔

اب ایسے اندھے متعصب کے انجام پر ایک نگاہ ڈالو۔ ایک طرف تو وہ تعصب کی اس سرشاری میں خدا کے عطا کردہ علم دین سے بیخبری کا ثبوت دیتا ہے۔ دوسری طرف وہ دیگر ائمہ و مجتہدین کے مقام علم و عرفان سے غفلت برتتا بلکہ انکار کرتا ہے۔ گویا بیک حرکت جہل اور ظلم دو گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ ہمیں علم اور عدل کا حکم دیتا اور ظلم و جہل سے روکتا ہے کہ فسق و فجور، تمرد و طغیان اور فتنہ و فساد کے یہی دو سرچشمے... ہیں۔ جن سے دامن بچانا ہی اللہ تعالیٰ کی امانت کا ایفاء ہے، جس نے فرمایا ہے "وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ الی آخر السورہ"

امام ابو یوسف اور امام محمدؒ سے بڑھ کر امام ابو حنیفہ کا پیرو اور ان کے اقوال کا صحیح علم رکھنے والا کون ہو سکتا ہے، لیکن انہوں نے بے شمار مسائل میں ان سے اختلاف کیا ہے، کیونکہ دلائل اور سنن کی روشنی ان کے سامنے پھیلتی گئی اور انھیں وہ چیزیں ملتی گئیں جنکا اتباع، کسی غیر معصوم انسان کے اقوال کے مقابلہ میں راجح اور ضروری تھا۔ مگر اس اختلاف کے باوجود وہ حنفی ہیں اور ان سے بڑھ کر امام کا قدر شناس اور عاشق کوئی نہیں۔ انھیں تذبذب کا بیمار کون کہہ سکتا ہے

ذرا آگے بڑھو خود امام ابوحنیفہ اور دوسرے ائمۂ مجتہدین کو دیکھو، وہ کس طرح ایک رائے قائم کرتے ہیں، لیکن بعد میں جب اس رائے کے خلاف دلائل سامنے آتے ہیں تو بلا تکلف اپنی پہلی رائے کو چھوڑ کر دوسرا مسلک اختیار کر لیتے ہیں اور انھیں کوئی مذبذب نہیں کہتا۔ کیونکہ حقیقت کی تلاش اور علم و ایمان کی جستجو ہی تو انسانیت کا جمال ہے۔ اللہ تعالیٰ سکھاتا ہے کہ تم ازدیادِ علم کی دعا مانگو وَقُلْ رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ مومن کیلیے ضروری ہے کہ تمام مومنین اور علماء سے موالات رکھے، سچ کی ٹوہ میں رہے، اور اسے جہاں پائے اپنا لے، اور یقین رکھے کہ مجتہد کی رائے اگر ٹھیک ہے تو اسے دو اجر اور اگر غلط ہے تو ایک اجر ضرور ملے گا اور اسکی خطا بہرحال معاف ہے۔

(۳) کتاب و سنت اور اجماع امت سے یہ بات ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان پر صرف اپنی اور اپنے رسولِ معصوم کی اطاعت فرض کی ہے۔ رسول کو چھوڑ کر کسی بڑے سے بڑے انسان کی اطاعت بھی اُسکے تمام اوامر و نواہی میں اس امت پر واجب نہیں حتیٰ کہ وہ جسے صدیق امت کہا گیا، انبیاء کے بعد جسکی افضلیت تمام انسانوں پر مسلم مانی جاتی ہے، جو صبغۃ اللہ کا پیکر اور مقام رسالت کا سب سے بڑا رمز شناس تھا وہ بھی کہا کرتا تھا کہ جب تک میں اللہ کی اطاعت کرتا رہوں تم میری اطاعت کرو لیکن جب میں اسکی نافرمانی کرنے لگوں تو تم بھی میری اطاعت سے آزاد ہو۔ اور اس پر تو تمام علماء کا اتفاق ہے کہ رسول اللہ کو چھوڑ کر کوئی بشر بھی امر و نہی کے تمام احکام میں معصوم نہیں ہو سکتا۔ غلطی تو بشریت کا خاصہ ہے۔ اسی بنا پر بعض ائمہ فرمایا کرتے تھے کہ ہر انسان کے اقوال دو قسم کے ہوتے ہیں، کچھ تو لے لینے کے قابل ہیں اور کچھ ترک دینے کے، الا رسول اللہ صلعم۔

ائمۂ اربعہ رضی اللہ عنہم نے خود لوگوں سے فرمایا ہے کہ وہ انکے ہر قول کی تقلید نہ کریں۔

اور درحقیقت یہ بات لوگوں کیلیے ضروری ہے۔ امام ابو حنیفہؒ فرمایا کرتے تھے کہ یہ ہماری رائے ہے، اگر کوئی اس سے بہتر رائے پیش کرے تو ہم اسے قبول کرلیں گے۔ حق پسندی کی یہ اسپرٹ زمانۂ حج میں ایک بار عملاً ظاہر ہوئی۔ امامؒ موصوف کے سب سے افضل اور رشید شاگرد امام ابو یوسف امام مالکؒ کے پاس آئے اور ان سے سبزیوں کی زکوٰۃ اور "صاع" کے متعلق مسائل پوچھے، آپ نے سنت نبوی کا فیصلہ سنا دیا، امام ابو یوسف نے فوراً فرمایا کہ میں نے اپنی رائے سے رجوع کیا، اور اگر امامؒ (یعنی ابو حنیفہ) اس وقت ہوتے تو وہ بھی ایسا ہی کرتے۔

امام مالکؒ کی تعلیم تھی کہ میں بھی ایک انسان ہوں۔ میری رائے صائب بھی ہو سکتی ہے اور غلط بھی۔ لہذا میرا ہر قول کلام اللہ اور فرمان رسول پر پرکھ لیا کرو۔

امام شافعیؒ کا ارشاد ہے کہ اگر کوئی صحیح حدیث تمہارے سامنے آئے تو میری رائے کو دیوار پر دے مارو، جو رائے اپنے گرد و پیش دلائل کا حصار رکھتی ہو اسی کو میری رائے سمجھو۔

امام احمدؒ کہا کرتے تھے نہ میری تقلید کرو نہ کسی اور امام کی، بلکہ جس طرح ہم نے علم شریعت سیکھا تم بھی سیکھو۔ کسی انسان کیلیے جائز نہیں کہ لوگ اس کی تقلید کریں، تم اپنے دین کی زمام انسانوں کے ہاتھوں میں نہ دو کہ وہ غلطی سے ہرگز مامون نہیں ہو سکتے۔

صحیح بخاری میں ہے

مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ جسکا اللہ بھلا کرنا چاہتا ہے، اسے دینی بصیرت سے نوازتا ہے

اب ذرا تصویر کے دوسرے رخ پر نظر ڈالو۔ اس ارشاد کا لازم کیا ہے؟ یہی نا کہ جسکو تفقہ فی الدین کی نعمت نہیں حاصل اس سے فیض کل کی نظریں پھری ہوئی ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ تفقہ فی الدین کی تحصیل ہر مومن پر حسب استطاعت واجب ہے۔ تفقہ فی الدین نام ہے سماعی دلائل کے ساتھ احکام شرعیہ کی معرفت کا۔ جسے یہ چیز حاصل نہیں وہ تفقہ سے بھی محروم ہے۔ مگر یہ

ظاہر ہے کہ انسانوں کا ایک بڑا طبقہ دینی مسائل کے تمام تفصیلی دلائل پر حاوی نہیں ہو سکتا۔ سو جن خفایا کی معرفت سے وہ واقعی عاجز ہیں، وہ ان کے مکلف بھی نہیں، لیکن جن پر وہ قدرت رکھتے ہیں ان کا حصول تو فرض ہے۔ جو لوگ استدلال پر پوری طرح قادر ہوں ان کے لئے بعض علماء کے نزدیک تقلید مطلقاً حرام ہے، بعض کے نزدیک مطلقاً جائز ہے، اور تیسرا مذہب یہ ہے کہ ایسے افراد کیلیے ضرورت کے وقت تو تقلید جائز ہے مثلاً وقت کم ہے اور استدلال و تحقیق کا موقعہ نہیں، لیکن جب کوئی مجبوری نہ ہو تو پھر جائز نہیں، اور یہی قول زیادہ راجح اور معتدل ہے۔

اجتہاد کا نام سُن کر لوگ گھبراتے ہیں گویا اسے فلسفہ کی بولی میں وہ ایک بسیط شے مانتے ہیں کہ جب تک انسان تمام مسائل اور تمام ابواب دین میں پوری مہارت کے ساتھ اجتہاد نہیں کر سکتا، اُسے مسندِ اجتہاد پر بیٹھنے کا کوئی حق نہیں۔ حالانکہ حقیقت امر اس کے برعکس ہے۔ اجتہاد کوئی بسیط شے نہیں جو تجزی اور انقسام کو قبول نہ کر سکے، بلکہ ایک انسان بعض فنون یا بعض مسائل میں قدرت اجتہاد نہ رکھنے کے باوجود، دوسرے فنون اور مسائل میں مجتہد ہو سکتا ہے، یعنی ہر انسان کا دائرۂ اجتہاد اس کی طاقت کے لحاظ سے تنگ یا وسیع ہوتا ہے۔

اب اگر ایک شخص کسی ایسے مسئلہ میں غور و فکر کرتا ہے جس میں علما کی رائیں مختلف ہیں اور دلائل و نصوص پر گہری نظر ڈالکر اس کا ضمیر فیصلہ کرتا ہے کہ فلاں امام کا مذہب زیادہ قوی ہے اور نصوص شرعیہ اُسی کی تائید میں ہیں، تو اس وقت اس کے لیے دو راہیں ہونگی۔ اگر وہ ضعیف و مرجوح مذہب کو محض اس لیے اختیار کریگا کہ وہ اُس امام کا مذہب ہے جسکی تقلید کا وہ عہد کر چکا ہے اور قوی مذہب کے دلائل کو حق جاننے کے باوجود چھوڑ دیگا تو یہ حق پرستی نہیں بلکہ عادت پرستی ہوگی جس کیلیے شرع میں کوئی حجت نہیں۔ اور اگر اس کا ضمیر اس بے جا عادت پرستی سے متاثر

اور مرعوب نہیں ہے تو وہ اُسی پہلے قول کا اتباع کریگا جسکی صحت اور حقانیت کا وہ معترف ہو چکا ہے - ایسی حالت میں دوسرے امام کا اتباع اس پہلے امام کے اتباع کا قائم مقام ہو جائیگا جس کا وہ مقلد ہے، اور نصوص کی دانستہ خلاف ورزی سے بھی اس کا دامنِ عمل پاک رہیگا اس لیے یہی طریقہ زیادہ محفوظ اور پسندیدہ ہے - چونکہ ایسا شخص کمال اجتہاد کے مرتبہ پر فائز نہیں ہے، اور یہ کہنے کی گنجائش ہے کہ اس کا قصورِ نظر مسئلہ کے تمام گوشوں پر حاوی نہیں ہو سکتا اور اُس کا فیصلہ مجتہدانہ فیصلہ نہیں کہا جا سکتا، اس لیے ہم نے یہ بات بہت اتر کر کہی - ورنہ جو شخص اپنے اندر اجتہاد کی پوری اہلیت رکھتا ہو اور جسکی وقتِ نظر مسئلہ کے اصلی خط و خال کو دیکھ رہی ہو، اور جسے یقین ہو کہ یہ مذہب نصوص شرعیہ کے مقابلہ میں کوئی جان نہیں رکھتا، اس پر تو ان نصوص کا اتباع واجب ہوگا اور اگر اس انشراحِ حقیقت کے باوجود وہ تقلید کے عشق میں سرشار رہے تو اس سے بڑھکر جہل پرست اور خدا و رسول کا نافرمان کوئی نہیں -

مقلدین کا ایک اور گروہ بھی ہوتا ہے جو ہٹ دھرم تو نہیں ہوتا مگر اسکو اپنے امام سے حُسنِ ظن بہت ہوتا ہے - ان کے سامنے جب ایسی صورتِ حال پیش آتی ہے اور اپنے مذہب کے مقابلہ میں نصوص کی قطعیت یا ترجیح ان کو واضح طور پر دکھائی دیتی ہے، تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ ہمارے مسلک کی تائید میں اور زیادہ راجح دلیلیں ہونگی جنکا ہمیں علم نہیں - ان کے حسنِ ظن کی توہین تو ضرور ہوگی مگر انہیں ہم بتا ہی دیں کہ قرآن کا تم سے صرف اتنا ہی مطالبہ ہے کہ اپنی قوت اور استطاعت کے مطابق تقویٰ اختیار کرو فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ - اسی طرح حضور رسالتمآب کا ارشاد ہے اِذَا اَمَرْتُكُمْ بِاَمْرٍ فَاْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ - یعنی جب میں تمہیں کوئی حکم دوں تو بقدر استطاعت اس پر عمل کرو - اس آیت اور حدیث کی روشنی میں غور کرو کہ تم نے حسبِ استطاعت اس مسئلہ کی چھان بین کر لی - اس جستجو میں جو کچھ تمہارے ہاتھ آیا

وہ یہی ہے کہ وہ دوسرا قول راجح ہے، اب تم امام کی جلالت شان کو نہ دیکھو، بلکہ حق کو دیکھو۔ تم پر اس کا اتباع فرض ہو گیا۔ ہاں اگر بعد میں چلکر ان نصوص سے بھی بڑھکر قوی اور مستند دلائل تم نے پا لیے تو تم پھر رجوع کر سکتے ہو۔ یہ تمہارا تذبذب اور اتباع نفس نہ ہوگا بلکہ حق کی محبت اور روشنی کی تلاش ہوگی۔ تمہارا حکم بالکل اس مجتہد کا سا ہوگا جو وضوح حق کے بعد ایک قول سے دوسرے قول کی طرف رجوع کرتا ہے۔ یہ رجوع قابلِ ستائش اور خدا کی نگاہوں میں محبوب ہے اور اُس متعصب کی ہٹ دھرمی خدا کو محبوب نہیں جو روشن راہ کو چھوڑ کر تاریک راہ چلنے پر مصر ہو۔ اور اسکے ساتھ وہ شخص بھی قابلِ مذمت ہے جو محض عادت کی بنا پر یا سہل پسندی اور نفس پرستی کا شکار ہو کر ہمیشہ نئے نئے طریقے ڈھونڈھتا رہتا ہو اور ایک رائے سے دوسری رائے کی طرف رجوع کیا کرتا ہو۔

رہ گیا کسی امام مجتہد کا ایک حدیث کو سُن کر اسے ترک کر دینا، خصوصاً جب اس نے اسکی روایت بھی کی ہو، سو اس کے بہت سے اسباب ہیں اور مختلف وجوہ کی بنا پر وہ معذور ہیں، جنکی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ لیکن یہ عمل ہمارے لیے اسوہ نہیں ہو سکتا، اور محض انکے طرزِ عمل سے فائدہ اٹھا کر کوئی نصوص کو ٹھکرانے کا حق نہیں رکھتا۔ وہ حدیث کو ترک کرنے میں معذور ہیں اور ہم انکے اقوال کو ترک کرنے میں معذور ہیں۔

فرض کرو ایک شخص کسی حدیث پر عمل نہیں کرتا۔ اس کا اعتقاد ہے کہ ظاہر قرآن اُس سے متعارض ہے اور ظاہر قرآن پر عمل کرنا اسکے نزدیک تمام نجج شرعیہ پر مقدم ہے۔ ایسے شخص کو بہرحال معذور سمجھا جائیگا۔ لیکن اسکا عذر کسی دوسرے کے حق میں عذر نہیں بن سکتا، کیونکہ حقائق شرعیہ کا ظہور و خفا تمام اذہان و عقول کیلیے یکساں نہیں، خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ اس تارک حدیث کو اس بات کا اعتقاد اور یقین ہو کہ صحابہ و تابعین نے اس حدیث

پر عمل نہیں کیا اور انکا عمل نہ کرنا کھلا ہوا قرینہ ہے اس بات کا کہ اس حدیث میں کوئی نہ کوئی علت ضرور ہوگی مثلاً وہ منسوخ ہوگی یا کسی دوسری نص کے مقابلہ میں کمزور اور مرجوح ہوگی۔ لیکن اس کے بعد ایک شخص اور زیادہ کاوش و تدبّر سے کام لیتا ہے اور اس پر یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ نہیں قرن اول میں بالکلیہ یہ حدیث متروک العمل نہیں تھی بلکہ ایک جماعت کا اس پر عمل رہ چکا ہے۔ اسی قسم کے اور نہ معلوم کتنے امکان پیدا ہو سکتے ہیں۔ پھر کسی طالب ہدایت کیلیے کیونکر زیبا ہے کہ وہ ایک رائے کے اتباع میں نصوص سے روگردانی کرے۔

ایک اور فقرہ ہے جو ہر ایسے آزاد خیال اور جویائے حق پر فوراً چست کیا جاتا ہے یعنی آپ زیادہ علم کتاب کے جوہر شناس ہیں یا فلاں امام؟" فلاں امام کا علم و دانش مسلم۔ مگر یہ تقابل بھی سراسر جہل ہے۔ یہ غریب خود اس امام کی مخالفت کب کر رہا ہے بلکہ اسکی مخالفت تو اسی جیسے صاحب علم و ایمان امام نے کی ہے۔ اس کا قصور اگر ہے تو صرف یہ کہ یہ ایک دوسرے امام کی رائے کو زیادہ صحیح اور تشفی بخش سمجھ کر اختیار کر رہا ہے۔ ان ائمہ کی نسبت آپس میں ایسی ہی ہے جیسی حضرت ابوبکر، عمر، معاذ، ابن مسعود، عثمان، علی رضی اللہ عنہم ائمۂ دین میں تھی۔ یعنی جس طرح یہ صحابہؓ اختلاف رائے میں ایک دوسرے کے مقابل آ کھڑے ہوتے اور جب کسی مسئلہ میں اختلاف پیدا ہوتا تو کتاب و سنت سے اس کا محاکمہ کرایا جاتا، اور گو ان کے مراتب علم میں بہت بڑا فرق ہوتا مگر کبھی حق و اتباع کا انحصار کسی کی بزرگی اور علمی برتری پر نہ رکھا جاتا تھا، بعینہ یہی حال ان ائمہ کے باہمی اختلاف رائے کا بھی ہے جنکی تقلید کی جاتی ہے۔ تو پھر ہم ان کے بارے میں اسوۂ صحابہ کی پیروی کیوں نہ کریں؟

تیمم کے بارے میں لوگوں نے حضرت عمر اور حضرت ابن مسعودؓ کی رائے پر حضرت ابو موسیٰ اشعری وغیرہ کی رائے کو ترجیح دی، محض اس وجہ سے کہ انہوں نے کتاب و سنت سے

اپنی رائے کو حق ثابت کر دکھایا، ورنہ علم اور تفقہ کے اعتبار سے وہ ان لوگوں سے کہیں کم تھے۔ اسی طرح انگلیوں کی دیت کا مسئلہ پیش آیا تو حضرت عمرؓ کی رائے رد کر دی گئی اور حضرت امیر معاویہؓ کی رائے پر عمل کیا گیا کیونکہ ان کے پاس فرمانِ رسالت کی سند تھی۔ حضرت ابنِ عباسؓ سے متعہ کے بارے میں مناظرہ کرتے ہوئے کسی نے کہہ دیا کہ ابوبکر اور عمرؓ کا یہ قول ہے۔ ابنِ عباسؓ سرخ ہو گئے اور فرمانے لگے قریب ہے کہ تم پر آسمان سے پتھروں کی بارش ہونے لگے۔ میں کہتا ہوں کہ رسولؐ اللہ نے یوں فرمایا ہے اور تم زید و بکر کا نام لیے جا رہے ہو۔ اسی مسئلہ میں حضرت ابنِ عمرؓ نے لوگوں سے فرمایا کہ عمرؓ تمہارے لیے زیادہ قابلِ اتباع ہیں یا رسول اللہ صلعم؟ حالانکہ یہ مسلم ہے کہ ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ بلکہ تمام صحابہ کے مابین شیخین علم و معرفت کے صدر نشین تھے۔

اور حقیقت یہ ہے کہ اگر شخصیت پرستی کا یہ دروازہ کھول دیا جائے تو تمام دین فتنوں کی آماجگاہ بن جائیگا۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ و رسول کی نافرمانی عام اور وحدتِ ملی پارہ پارہ ہو جائیگی۔ ہر امام نبی بن جائیگا، اس کی ایک مستقل امت ہوگی اور ایک مستقل شریعت، یعنی نصاریٰ کی طرح اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ کی مثالِ بدہم پر بھی صادق آجائیگی۔

(ماخوذ از فتاویٰ ابنِ تیمیہ)